نبیہ نقوی
محبت فاتح عالم

نبیہ نقوی

محبت فاتح عالم

ناولٹ

ریاح کی آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات تھی۔ وہ اپنے باپ کی وجہ سے بے حد پریشان تھی۔ نشہ کی بری لت نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔

نذر محمد شروع سے خراب نہ تھا مگر برے دوستوں کی صحبت نے تباہ کردیا تھا۔ راتوں کو دیر سے آنا' دفتر سے آئے دن ناغے ... جس کے سبب ملازمت سے برطرف کردیا گیا۔ اور پھر جیسے روزگار بھول ہی گیا۔ جب شوہر کو بیوی کی کمائی کی عادت پڑ جائے تو پھر وہ اپنی ملازمت کے متعلق سوچنا چھوڑ دیتا ہے۔ نذر محمد کا بھی یہ ہی حساب ہوا۔

سلطانہ پڑھی لکھی تھی۔ لہٰذا چند اچھی ٹیوشنز مل گئیں' جس سے گھر کا دال دلیہ چل رہا تھا۔ ریاح نے بھی پرائیویٹ پڑھائی شروع کردی۔ نذر محمد دن میں چارپائی توڑتا رہتا۔ رات کو باہر چل دیتا۔ منہ اندھیرے گھر آنا اس کا معمول بن گیا تھا۔ سلطانہ اسے دنیا کی اونچ نیچ سمجھاتی۔ اچھے دن یاد کراتی تو کہتا۔

"تو دیکھتی رہ بس۔ ایک ہی داؤ میں سارا ادھار چکا دوں گا۔"

"جوئے میں آج تک کسی کو بنتے نہیں دیکھا۔ یہ گھر پھونک ڈالتا ہے۔ چھوڑ اس کو۔ کوئی کام ڈھونڈ' بیٹی بیاہنی ہے۔" وہ دوبارہ کہتی۔

"معلوم ہے۔" وہ تلخی سے جواب دیتا۔

"شکر کرو ایک ہی بیٹی ہے' دو' چار ہوتیں تو پتا چلتا۔"

اور پھر تکرار شروع ہو جاتی۔ جس روز لڑائی ہوتی۔ اس رات تو وہ بالکل گھر نہیں آتا۔

"ابا کہاں جاتے ہیں آخر۔" رباح متفکر ہوتی۔

"اپنے نکمے بے ہودہ دوستوں میں اور کہاں جائے گا۔ تم سو جایا کرو۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے' وہ پچھلے گھر میں 'سنا ہے سایہ ہے۔ ابا آجاتے ہیں تو اطمینان ہو جاتا ہے۔"

"آیت الکرسی پڑھ کر سویا کرو۔" سلطانہ تلخی سے کہتی۔

آج بھی تکرار ہوئی تھی' لہٰذا وہ غائب تھا۔

"نہیں معلوم ہے' مجھے ڈر لگتا ہے' پھر بھی دیر سے آتے ہیں۔" رباح باپ سے ناراض تھی۔

آدھی رات کو دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔

"ابا آگئے۔" وہ ایک ہی جست میں چارپائی سے کودی۔

"لیٹی رہ! میں کھولتی ہوں۔" سلطانہ کو شاید اونگھ آگئی تھی۔ ورنہ رات بھر میاں کے سدھرنے کی دعائیں کرتی تھی۔

"کہاں مر گئی تھی؟ ٹھاٹ سے پڑی سوتی رہتی ہے۔" انتہائی غلیظ گالی دی گئی۔

"کتنے برے ہیں ابا!" رباح نے منہ تک چادر لے لی۔ "چلو! شکر ہے آتو گئے' اب میں آرام سے سو جاؤں گی۔" اس نے اطمینان سے کروٹ لی۔

"بیٹی جوان ہے اب تو سدھر جاؤ' وہ تمہارا انتظار کرتی رہتی ہے۔"

"اچھا... اچھا... دماغ نہ کھاؤ' ابھی ہوش نہیں ہے کچھ۔" ادھیڑ عمر' کھچڑی بال' ملگجے سے کپڑے' چال میں لڑکھڑاہٹ' اس کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔

"کہاں نصیب پھوٹے۔ اس مرد کو ذرا احساس نہیں۔" سلطانہ کڑھ کے رہ گئی۔

وہ چارپائی پر اوندھا جا پڑا۔

☼ ☼ ☼

سویرے نذر محمد کو ناشتے میں انڈا چاہیے تھا' پاپے اور چائے کا پیالہ دیوار پر دے مارا۔

"خدا کا خوف کرو۔" پیالے کی کرچیاں اٹھاتے ہوئے سلطانہ سلگی۔

رباح چائے کے پیالے میں پاپے ڈبو ڈبو کر کھا رہی تھی۔ بالوں کی چھوٹی بڑی لٹیں' حسین چہرے پر نثار ہو رہی تھیں۔

"ایسے خوب صورت نقش۔" نذر محمد نے اسے غور سے دیکھا تھا۔ سلطانہ نے باپ کی نگاہ بیٹی پر ٹکی دیکھی تو خوف سے لرز گئی۔

"کتنا کھائے گی' چل دفعان ہو کمرے میں۔"

سلطانہ کی کرخت آواز وہ پر آدھا پاپا منہ میں دبا کر وہ اندر بڑھ گئی۔

"کیوں اندر بھیج دیا اسے؟" اسے برا لگا۔

"باپ جوان بیٹیوں کو اتنے غور سے نہیں دیکھا کرتے۔" اس نے رسان سے سمجھایا' مگر اندر سے جان نکلی جا رہی تھی۔ نذر محمد کے کرتوت اسے پتا تھے۔

"اونہہ! آئی بڑی افلاطون... ویسے... بگڑا تو تیرا بھی کچھ نہیں؟" فوراً" بیوی پر نگاہ جمائی۔ "حاکم نے لاکھوں کما لیے۔ اس کی بیوی بھی بڑی دھانسو۔"

"خبردار!" وہ حلق کے بل چلائی۔ "میرے میں ایسا سوچنا بھی مت۔"

وہ کمینگی سے ہنسنے لگا۔ وہ چکرا کر رہ گئی تھی۔

"جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔"

"پہلے اس جہنم کو تو بھرو۔" اس نے پیٹ پر ہاتھ مارا۔ ڈھٹائی کی انتہا تھی۔

"دن رات اسی کے لیے تو آنکھیں پھوڑتی ہوں۔" اس نے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"کیوں پھوڑتی ہو۔ اتنی آنکھیں ہیں۔ ان میں کاجل ڈالا کرو۔ کتنے تمہارے قدموں میں گریں گے۔"

وہ بے شرمی سے ہنسا۔

"خدا سے ڈرو نذر محمد!" سلطانہ لرز گئی تھی اس کے ارادے خطرناک لگ رہے تھے۔

دن بھر غائب رہا اور سلطانہ خوف سے دہلتی رہی۔

"امی! ابو کیسی باتیں کرتے ہیں؟" ماں کو لرزتے کانپتے دیکھ کر وہ بھی ڈر گئی تھی۔

"انسان کی ذہنیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔ بری صحبت نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔"

"میں کہیں نوکری کر لوں؟" اس نے اجازت طلب نظروں سے ماں کو دیکھا۔ اسے معلوم تھا باپ اچھے کھانوں کا شوقین ہے۔ دونوں ماں بیٹی کمانا شروع کریں گی تو باپ کی نت نئی فرمائشیں با آسانی پوری ہو سکیں گی۔

"چپ کرو تم!" سلطانہ ویسے ہی پریشان تھی' اس کی بات نے اسے مزید تپا دیا تو اسے ڈانٹ دیا۔

وہ سارا دن دہلتی رہی۔ "اس کی سوچ کو میں کیسے بدلوں؟"

رباح بھی اسے دیکھ کر پریشان ہوتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"بات سنو میری!" شام کو وہ آیا تو ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گیا۔ "سلطانہ! مجھے معاف کر دو' بڑا مجبور ہو گیا ہوں' تمہیں صرف ایک روز کے لیے کریم کے پاس جانا ہوگا' میں جوئے میں ہار گیا ہوں۔"

"تم... تم... کمینے انسان! میری بولی لگا دی۔" غم و غصے سے سلطانہ کی آواز پھٹ گئی۔ "تمہارے اندر اتنی گندگی بھر گئی ہے۔" اس نے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا کر کہا۔ "خداوند تعالیٰ تو مجھے اس جہاں سے اٹھا لے۔"

"بیوہ ہونے کی دعا مانگو۔" وہ بھی رو رہا تھا۔

"ہونہہ! ایسے رو رہے ہو جیسے بڑی غیرت ہے؟" اس نے نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔

"تم... تم... تیار رہنا' میں رات کو لے جاؤں گا' ورنہ وہ ہماری بیٹی کو غنڈوں سے اٹھوا لے گا۔"

وہ ٹھٹک گئی' نذر منہ چھپا کر چلا گیا۔

سلطانہ کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ کوئی بھی انتہائی قدم اٹھانے کو تیار تھی۔ رباح الگ دہل کر رہ گئی تھی' باپ کی آواز اس کے کانوں نے بھی سنی تھی۔ وہ حواس باختہ تھی۔

"اٹھو جلدی' اس جہنم سے نکل جاؤ۔" سلطانہ نے اسے پاگلوں کی طرح گھسیٹا۔

"اس سے پہلے تمہارا باپ آجائے۔"

"امی! میں کک... کہاں جاؤں۔" رباح خوف سے ڈھے گئی۔

"تم گھر کے پچھلے حصے میں جہاں کچرا پڑا رہتا ہے۔ وہاں جا کر چھپ جاؤ' صبح آجانا۔ اس کمینے انسان نے مجھے بیچ ڈالا ہے۔ چرسی' شرابی' جواری' ضمیر مر گیا اس کا۔"

"تو... تو امی... ہم دونوں کہیں چلتے ہیں۔"

"تمہارا باپ آتا ہی ہوگا۔ خدا کے واسطے رباح! بحث نہ کر۔ نکل جا۔"

"مگر؟" وہ ہچکچائی۔

"چلی جا۔" سلطانہ نے اسے گھسیٹ کر دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ وہ جیسے سوچ سمجھ سب بھول چکی تھی۔

"یا اللہ۔۔۔"

اس کے پیروں تلے سے زمین نکلی جارہی تھی۔ بڑے سے دوپٹے میں لرزتا کانپتا وجود لیے وہ گھر سے باہر آئی۔ گھر کے پچھلے حصے کی طرف بڑھی وہاں اندھیرا تھا اچانک کتے کی آواز پر وہ بری طرح بھاگی تھی۔ باپ کا سایہ ناقابل بھروسا اور ماں کا سایہ ہمیشہ کے لیے چھوٹ جائے گا۔

"یہ کیسا فیصلہ کرلیا امی نے۔۔۔ ابا۔۔۔" باپ کا خیال آتے ہی بدن میں نفرت کی لہر سی اٹھی تھی۔

رات بڑھتی جارہی تھی مگر ٹریفک ابھی رواں دواں تھا۔

شور مچاتی بس، دھواں اڑاتے رکشے۔۔۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ گاڑیوں کا اژدحام تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ روڈ پار کرلوں یا کسی گاڑی کے نیچے آجاؤں یا اسی جہنم میں واپس پلٹ جاؤں۔

"امی۔۔۔ نے زہر کھالیا ہوگا۔۔۔ اور اب ابا کیا کررہے ہوں گے۔"

رات بڑھتی جارہی تھی۔ اس کا خوف بھی بڑھ رہا تھا۔ وہ تو ویسے ہی ڈرپوک تھی۔

گھبراہٹ میں اس نے قریب گزرنے والی گاڑی کو ہاتھ دے دیا، دوسرے لفظوں میں اپنی شامت کو خود آواز دی۔

"آ۔۔۔ آپ میری مدد کرسکتے ہیں؟" وہ پچھلی کھڑکی پہ تھوڑا جھکی۔

سیٹھ نے اس کے چمکتے حسین چہرے کو للچا کر دیکھا۔ ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھانا چاہی مگر سیٹھ نے روک دیا۔

ڈرائیور نے انتہائی غصے سے اس روتی دھوتی لڑکی کو دیکھا۔

"آجاؤ۔" سیٹھ نے گاڑی سے جھانک کر کہا وہ آبیٹھی۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ!" وہ بدقت بولی۔ سیٹھ کی ہوس ناک نظریں اس انتہائی خوف زدہ زاروقطار روتی لڑکی پر گڑ گئیں، جبکہ ڈرائیور قہر آلود نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی گاڑی پوش ایریا میں ایک بنگلے کے پاس رکی۔

جدید آرائش سے سجا نہایت عالی شان گھر مگر وہاں خاموشی کا راج تھا۔

"بیٹھو!" وہ ڈری سہمی کرسی پہ ٹکی۔ سیٹھ اس کے برابر آبیٹھا۔

چہرے پر انتہائی بے صبری تھی۔

"میں تمہیں نہیں پوچھوں گا، کس حالات کے تحت گھر سے نکلی ہو۔ مجھے خوش کردو بس۔ ڈھیروں دولت تمہارے قدموں میں بچھا دوں گا۔" سیٹھ نے اس کا نازک ہاتھ پکڑا۔

رباح کو اس شخص کی کمینگی کا احساس جاگا، تو بجلی کی سی تیزی سے ہاتھ چھڑایا۔

"خدا کے واسطے، مجھے بچالو۔" تڑپ کر ڈرائیور کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ جو پتا نہیں کیسے اچانک وہاں آگیا تھا۔

"تم خود آئی ہو۔" ڈرائیور نے نفرت سے کہا۔ سیٹھ کھڑا ہوا۔

اسے نظرانداز کرکے اپنے سیٹھ کے حکم کا منتظر ہوا۔

"اللہ کے واسطے۔" سیٹھ کے مزید کچھ بولنے سے پہلے وہ ڈرائیور کے قریب آئی۔ "پلیز مجھے یہاں سے نکالو، تمہیں اپنی ماں کا واسطہ، اگر تمہاری کوئی بہن ہے تو پلیز۔" وہ کچھ اس انداز سے گڑگڑائی کہ وہ چونک اٹھا۔

سیٹھ نے اٹھ کر رباح کو اپنی جانب گھسیٹا۔

اسی پل بغیر سوچے سمجھے اشتر نے سیٹھ کو ایک جھانپڑ رسید کیا۔

سیٹھ کی کراہ نکلی۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم دور ہوا۔ اگلے ہی لمحے وہ بجلی کی سی تیزی سے رباح کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ سے باہر تھا۔ ابھی اس نے گاڑی گیٹ کے اندر نہ کی تھی۔ اسے جھٹ گاڑی میں بٹھایا اور ہوا کے دوش پر اڑا دی۔

وہ ڈری سہمی مسلسل آنسو بہارہی تھی۔ اس روڈ پر ٹرالر اور اونچے اونچے سامان سے لدے ٹرک رواں تھے۔ گاڑی کسی چیونٹی کی مانند لگ رہی تھی۔

"کہاں جارہے ہو؟" خوف سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"جہنم میں۔" وہ گویا کاٹ کھانے کو دوڑا تھا۔

"میں نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔ ہم دونوں ہی کہیں چلی جاتیں یا پھر دونوں ہی زہر کھالیتیں۔ اب۔۔۔ یہ ڈرائیور پتا نہیں کہاں لے جارہا ہے۔"

غصے میں بھرا، ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمائے اپنے انجام سے لاپروا وہ گاڑی بھگائے چلا جارہا تھا۔

"مجھے میری امی کے پاس لے چلو واپس۔" وہ منمنائی۔

"واپس ہی جانا تھا۔ تو بھاگی کیوں گھر سے۔" اس نے قہر برسایا۔

"میں بھاگی نہیں ہوں۔" چیخ پڑی۔

اس نے غصے سے اس کی طرف دیکھا۔ اسی لمحے گاڑی اس کے قابو سے باہر ہوئی۔ ٹرک سے ٹکراتے ٹکراتے بچی اور سنبھلتے سنبھلتے بھی گاڑی سڑک سے اتر گئی اور ایک درخت سے جا ٹکرائی۔

اس نے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔ ٹائر بڑی زور سے چرچرائے تھے۔

"ابو نے امی کو بیچ دیا۔ جانے وہ کس حال میں ہوں گی۔ مجھے ان کے پاس لے چلو پلیز۔ انہیں میری ضرورت ہوگی۔" وہ رو رو کر التجا کرنے لگی۔

"یہ سب پہلے سوچنا تھا تمہیں۔ میری زندگی بھی اپنے ساتھ خوار کروادی، سیٹھ بھلا کہاں چھوڑے گا مجھے۔"

"میں معافی مانگتی ہوں تم سے۔ ابو نے میری امی کو جوئے میں ہار دیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ گھر سے نکل جاؤ ورنہ میرا باپ مجھے۔۔۔

میں سوچ بھی کہاں سکتی تھی کہ میرے سر کا سایہ، میری چھت، میرا باپ اتنا گھناؤنا اقدام کرے گا۔"

وحشت بھرا لہجہ دکھ کی چبھن بھی لیے ہوئے تھا۔

"اسی لیے۔۔۔ اسی لیے مرد ذات سے نفرت ہونے لگی ہے۔"

"میں تمہاری جھوٹی کہانی پر یقین نہیں کرسکتا۔ کسی کی خاطر گھر سے بھاگی ہو۔ اس نے بے وفائی کردی۔"

ایک سنسناتا ہوا تازیانہ اس کے تن بدن میں آگ لگا گیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ پوری قوت سے اس کی گردن پر دونوں ہاتھ مارے۔

وہ بلبلا اٹھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ دفع ہوجاؤ۔ ایک منٹ کے اندر اندر۔ نکلو گاڑی سے، ورنہ تمہارا گلا دبادوں گا۔" وہ خوف ناک آواز سے دھاڑا تھا۔

وہ بیٹھی رہی۔

"تم اترتی ہو یا دھکا دوں تمہیں؟" وہ غرایا۔

"گلا دبادو۔" وہ زاروقطار رونے لگی۔

"پتا نہیں کس مصیبت میں پھنس گیا۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا، مگر وہ اسٹارٹ نہ ہوئی۔

"کچھ فالٹ ہوگیا ہے۔ سیٹھ بھوکے کتے کی طرح ڈھونڈ رہا ہوگا۔ اس کے ہاتھ سے تر نوالہ چھین لایا ہوں۔ اس نے پولیس کو بھی اطلاع کردی ہوگی۔ یقیناً مجھ پر گاڑی چوری کا الزام لگا دیا ہوگا۔ ابھی کوئی پولیس موبائل ڈھونڈتی ہوئی آجائے گی۔ اسے یہیں چھوڑ دینا چاہیے۔" وہ بڑبڑایا۔

وہ شہر سے کافی دور نکل آئے تھے۔

اس کا ذہن اپنے بچاؤ کی ترکیب لڑانے لگا۔ ڈیش بورڈ کھولا، گاڑی کی لائٹ جلائی۔ یہاں اچھی خاصی رقم ہوا کرتی تھی، تاکہ اسے چھوٹے موٹے فالٹ یا کیس بھروانے کے لیے سیٹھ سے بار، بار تقاضا نہ کرنا پڑے۔ اسے ماہانہ رقم مل جاتی تھی۔ وہ بڑی دیانت داری سے

خرچ کرتا تھا۔

اس کی رہائش بھی سیٹھ کے گھر میں تھی' حقیقت میں اس کا تو کوئی خرچہ ہی نہ تھا۔ بس اپنی تعلیم پر خرچ کرتا۔ وہ اعلا کردار کا پڑھا لکھا نوجوان تھا اور غیرت مند بھی۔

اس وقت اس مصیبت زدہ لڑکی کی مدد کرکے گویا اپنے مالک سے خیانت کررہا تھا۔ حالانکہ اسے اس لڑکی سے اور اس کی کہانی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے یہ بھی احساس ہوگیا تھا اس کی خوب صورتی کی وجہ سے اسے مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔

یوں ہی پلٹ کر اسے دیکھا۔ ہلکی روشنی میں خوف زدہ' ڈری سہمی' ہچکیاں لیتی وہ لڑکی اسے بڑی نڈھال سی لگی' اس کا حسن اسے سب سے زیادہ خوف دلا رہا تھا۔ رقم جیب میں ڈال کر درشتی سے بولا۔

"باہر نکلو۔"

"مجھے یہیں رہنے دو۔" اس نے روتے ہوئے التجا کی۔

"گھر سے نکلی ہو۔ بغیر سوچے سمجھے۔"

"مجھے کیا پتا تھا۔ میں جن حالات کا شکار تھی' میری امی نے۔۔۔" وہ خاصی دہشت زدہ تھی۔

اسے شک کی نگاہ سے دیکھا تھا مگر اس کے چہرے پر خوف کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

نہ ارادہ' نہ ہی کوئی رقم۔ بس یوں ہی گھر سے دھکیل دی گئی تھی۔ گھر کے باہر ہوس پرستوں کی یلغار تھی۔

مدد کرنے والا بھی شک کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

اس سے تو بہتر تھا گھر کے جہنم میں رہتی۔

"اترو! سیٹھ کی گاڑی ہے۔"

"اب کہاں جانا ہوگا؟" لرزتی کانپتی آواز میں پوچھا۔

"اللہ مالک ہے۔ میں نے تمہاری مدد کی حامی بھری ہے تو اب کروں گا بھی۔ میری ماں کا واسطہ دے دیا تم نے۔ یہ الگ بات کہ خود کو آگ میں جھونک دیا ہے۔" وہ تمیز سے تو بولا مگر بے زاری کا احساس بھی دلا دیا۔

"سیٹھ کے بڑے احسان ہیں مجھ پر۔ سیٹھ نے پرورش کی۔ تعلیم دلائی' مزید تعلیم کے لیے باہر جارہا تھا۔ میرا ٹکٹ بھی آچکا تھا۔ اگلے ہفتے میری روانگی تھی۔ اب یہ سب کچھ ممکن نہیں۔"

"آہ! میری مدد کرنے والا خود کتنا مجبور ہے۔ اس وقت مجھے سیٹھ کے چنگل سے نہ نکالتا تو ہو سکتا ہے میں بے عزت ہوکر اپنی جان دے دیتی۔"

"آپ کا بہت شکریہ۔ آپ کا احسان تاحیات نہیں اتار سکتی۔ میرے بہت عزیز ہیں' مگر باپ کی وجہ سے سب نے ناطہ توڑ لیا۔ وہ تو روز بروز پستی میں گرتے جارہے ہیں۔ امی تک کو داؤ پر لگادیا۔ مجھے شدید نفرت ہورہی ہے اپنے والد سے۔ کوئی یوں اپنی عزتوں کو نیلام کرتا ہے۔ میری امی نے اب تک زہر کھالیا ہوگا۔ اس وقت میں نے کچھ تو سوچا ہوتا۔" رو' رو کر وہ بے حال ہورہی تھی۔

"بی بی! خود کو سنبھالو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پولیس آجائے' اس گاڑی کو یہیں چھوڑ کر جانا ہے۔" وہ سمجھانے لگا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

وہ بے ہوش ہوکر ایک سمت کو لڑھک گئی۔

"سنو بی بی!" اس نے اس کا کاندھا ہلایا۔

اسی لمحے دور سے موبائل کی آواز سنائی دی۔

اس نے فوراً" دروازہ کھولا۔ بجلی کی سی تیزی سے اس بے ہوش وجود کو بازوؤں میں سنبھالا اور ایک طرف کو چل پڑا۔

"اچھی مصیبت ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

ڈھلوان راستہ' بڑھتا ہوا اندھیرا' موبائل کا سائرن۔

جھاڑیوں کی اوٹ میں بے ہوش لڑکی کو لٹادیا۔ ابھی سیدھا بھی نہ ہوا تھا کہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز نے خوف کردیا۔

ایک سانپ انتہائی قریب سے گزرا۔

اس نے برق رفتاری سے اسے بازوؤں میں یوں سمیٹا جیسے متاع حیات ہو۔

گھاس پھوس پر لٹاتے ہوئے وہ جھجک رہا تھا۔ کیونکہ جھاڑیوں سے مسلسل سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اسے اٹھاکر چلنا بھی دشوار تھا۔ اندھیرا بڑھتا جارہا تھا۔

"کسی مشکل میں نہ پھنس جاؤں۔ اس لڑکی کی مدد زندگی بھر کا روگ نہ بن جائے۔"

وہ یوں ہی بیٹھا رہا۔ موبائل کے سائرن کی آواز ختم ہو چکی تھی۔

"گاڑی کو چلانے کی کوشش کروں۔" وہ اسی شش و پنج میں تھا۔

"چھوڑو۔۔۔ چھوڑو مجھے۔" اچانک وہ جاگی اور دہشت زدہ ہوکر بری طرح چیخی۔ صورت حال ایسی تھی کہ وہ غلط فہمی کا شکار ہوگئی۔ اس کے چیخنے پر گھبرا کر اس نے فوراً" بازو کھول دیے۔

وہ پوری قوت سے پتھریلی زمین پر جا پڑی۔

اور درد سے بلبلا اٹھی۔

"پتا نہیں یہ مددگار کیا کرنا چاہ رہا تھا۔" مضبوط بانہوں کے حصار کا تصور آتے ہی وہ لرزنے لگی۔

"تو اس لیے بچایا تھا مجھے۔ تم سارے مرد ایک ہوتے ہو۔"

"خبردار۔" اس کی وجہ سے وہ پہلے ہی پریشان تھا۔ الزام نے جیسے آگ لگادی۔

ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کردیا۔

"مروییں! تمہاری وجہ سے میری زندگی عذاب میں آگئی ہے اور تم۔" انگلی اس کے چہرے کے سامنے لہرائی۔ "پولیس کسی بھی پل مجھے تلاش کرتی یہاں آپہنچے گی۔ اتنے اثرورسوخ والا انسان اپنے مجرم کو کیسے چھوڑے گا۔ میرا تابناک مستقبل صرف تمہاری وجہ سے خاک کا ڈھیر بن گیا۔ تم بے ہوش تھیں تو تمہیں سانپ کے کاٹنے سے بچایا اور تم۔۔۔ تم مجھ ہی پر شک کررہی ہو۔" وہ کپڑے جھاڑ کر اٹھا۔ قدم آگے بڑھائے۔

"بس جتنی مدد کرنی تھی کردی۔ اب اپنی حفاظت تم خود کرو۔" وہ سخت بھنا گیا تھا۔

جیسے ہی وہ ایک طرف کو چلا۔ وہ بری طرح گھبرا گئی۔

"دیکھو پلیز!" وہ خوف سے کانپنے لگی۔

وہ رکا۔ اس کی طرف نگاہ گھمائی' اس کی شفاف رنگت ملگجے اندھیرے میں چمک رہی تھی۔ تھپڑ زناٹے دار تھا' پھر اس کا مردانہ ہاتھ' رخسار پر انگلیوں کے نشان واضح تھے۔ ہونٹ کا کنارا بھی سوج گیا تھا۔ خوف سے بری طرح کانپتی ہوئی ملتجی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل پسیج گیا۔

اسی پل اس کے پاؤں پر کسی کیڑے نے کاٹ لیا۔ اس نے سسکی بھری تو لپک کر اس کے بازو کو ہاتھوں سے جکڑ لیا۔

"چلو! جلدی کرو' یہاں سے نکلنا ہے۔" ذہن پر صرف اس کی مدد کرنے کی دھن سوار ہوگئی۔ آگے کیا کرنا ہے' سب بھول گیا۔

"یہ یقیناً" شریف انسان ہے۔" اس نے دل میں سوچا۔

وہ تیز تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ اس کا ساتھ دینے کے لیے اسے تقریباً" بھاگنا پڑ رہا تھا۔ خطرہ ابھی تک سر پر منڈلا رہا تھا۔ اندھیرے کے سبب اس نے دائیں بائیں کے بجائے ناک کی سیدھ اختیار کی۔ سڑک پر پہنچے تو دور سے ایک بس آتی نظر آئی۔

"اپنے چہرے کو چھپالو میں بس روکتا ہوں۔"

وہ اس کی بات پر ممنون سی ہوگئی۔

بڑے سے دوپٹے کو سلیقے سے لپیٹ لیا۔ چہرہ بھی تقریباً" چھپالیا۔ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

اس نے اشارہ کیا۔ بس رک گئی۔ وہ دونوں سوار ہوگئے۔

"کہاں جانا ہے؟" کنڈیکٹر کی آواز پر دونوں چونک گئے۔

"ہم مسافر ہیں۔ ایسی جگہ جانا ہے' جہاں رات بسر کرسکیں۔" مضبوط لہجے میں کہا۔

"قریبی بستی میں ہمارا آخری اسٹاپ ہے۔"

"ہم بھی اسی جگہ ٹھہر جائیں گے۔" وہ اطمینان

سے بولا۔

کنڈیکٹر کو مطلوبہ رقم ادا کی۔ بس میں چند سواریاں اور تھیں۔ سب ان کی طرف متوجہ تھے۔ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ رباح نے گورے گورے ہاتھ دوپٹے میں چھپالیے تھے۔

دل دھڑک دھڑک کر بے حال تھا۔ ماں کا خیال ستا رہا تھا۔

یہ اجنبی۔۔۔ جانے کہاں لے جائے' یہ فکر تو تھی مگر اتنا سکون ضرور تھا کہ کسی غلط ہاتھ نہیں لگی۔

"بیٹا! اس علاقے میں پہلی مرتبہ آئے ہو؟" بس میں سوار ایک بوڑھی عورت نے پوچھا۔

"جی۔۔۔" اشتر نے جواب دیا۔

"یہ تمہاری بیوی ہے؟"

وہ زبردستی کھانسنے لگا۔ اسے بات ٹالنے کا یہ ہی طریقہ سوجھا تھا۔

"تم اور تمہاری بیوی میری سرائے میں ٹھہر جانا۔" گلے پڑنے والی بوڑھی عورت گاہک پھانس رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں۔" اس نے سرہلایا اور مطمئن ہوگیا۔ "چلو! رات گزارنے کا انتظام تو ہوگیا۔"

بس نے سارے مسافر اتار دیے۔ وہ دونوں اس بوڑھی عورت کے ساتھ ہولیے۔

☼ ☼ ☼

سرائے کیا تھی۔ ایک چھپر سا پڑا تھا۔ گندے گندے میلے میلے بستروں پر خراٹے لیتے لوگ۔

وہ بہت ڈری سہمی تھی۔ یہ جگہ عورتوں کے رہنے کے قابل نہ تھی۔ سارے مرد تھے۔

"تمہاری بیوی کو اپنے گھر لے جاؤں گی۔ عورتیں اندر ہی ہوتی ہیں۔"

"جاؤ! اور خود کو نارمل رکھنا۔ کسی کو شک نہ ہو۔" اس نے سرگوشی کی۔

"کیسے عجیب حالات ہیں۔ اجنبی 'شناسا ہوگیا۔ اس سے دور رہنے سے خوف آیا۔ اندھیرے میں چھوڑ گیا تو۔"

"مم مجھے۔۔۔ چھوڑ کر نہیں جانا۔" روہانسی آواز میں اندیشے کا اظہار کیا۔

"رات کے اندھیرے میں اگر پولیس پکڑ کرلے گئی تو کچھ نہیں کرسکتا۔"

"پھر۔۔۔ پھر بھی میں تمہارے ساتھ رہوں گی' بتادینا پولیس کو "اندر میں بھی ہوں۔" وہ خوف سے اس کے قریب ہوگئی۔

"سنیے مسٹر!" کاندھے پر کسی نے اچانک تھپکی دی۔

وہ پلٹا اور بری طرح چونکا۔ سامنے پولیس والا کھڑا تھا۔

رباح کا سانس اٹک گیا۔ اشتر بھی ڈر رہا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم۔۔۔ سہیل! یہاں کیسے؟" انداز میں شناسائی تھی۔

"یہ ہی سوال میں بھی پوچھنا چاہ رہا ہوں۔ بس سے اترتے دیکھا تم کو۔ یہاں کس سے ملنے آئے ہو؟"

"کسی سے بھی نہیں۔"

"چلو! پھر گھر چلو۔" اچٹتی نگاہ اس ڈری سہمی لڑکی پر ڈالی' پھر اشاروں اشاروں میں اس کے متعلق پوچھا۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے تسلی دی۔

"تمہیں دیکھ کر جان میں جان آئی۔"

"کیوں۔ کوئی واردات کرکے نکلے ہو؟" سہیل نے قہقہہ لگایا۔

"پولیس والے ہو' تفتیشی طریقہ ہی اپناؤ گے۔" اس نے بھی ہنس کر بات اڑائی۔

تینوں اس کی جیپ میں سوار ہوئے۔ اسے اب تحفظ کا احساس ہو رہا تھا۔

پھر بھی بے حد پریشان تھی' دل گھر میں اٹکا تھا۔ ماں جانے کس حال میں ہوگی؟

"بھابھی کا کیا حال ہے؟"

"وہی پرانی عادت' بہت مارتی ہے۔" وہ ہنس دیا۔

بھاری ہنسی جیپ میں گونج گئی۔

چھوٹے سے ایک کوارٹر کے قریب جیپ رکی۔

ہارن کی آواز پر دروازہ کھلا۔

"ارے انہیں کہاں سے پکڑلائے؟" چھوٹے سے قد والی خاتون نے خوش گوار حیرت کا اظہار کیا۔ پھر اس کے پیچھے آنے والی لڑکی کو دیکھا۔

"آئیے!" سہیل نے بڑی عزت سے پلٹ کر رباح کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر بیوی سے کہا۔

"ذرا کھانے کا بندوبست کرلو!"

اس نے سرہلا کر حامی بھری اور کچن کی طرف جاتے جاتے ایک مشکوک نگاہ رباح پر ڈالی۔

"بہت حسین ہے۔ اشتر ایسا ہے تو نہیں مگر۔۔۔ پھر یہ کون ہے۔"

سہیل اسے باہر لے گیا۔ تب مختصراً" اشتر نے رباح کے بارے میں اور اپنے اقدام کے متعلق بتایا۔

وہ اندر آئے تو وہ دبی دبی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"آپ بے فکر ہوجائیں' یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ اپنا نام بتائیں' کچھ حالات وغیرہ بتائیں۔"

"مجھے بے حد شرم آرہی ہے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے۔" وہ ہچکچائی' مگر پھر اس کے زور دینے پر بڑی ہمت کرکے اپنی داستان غم سنادی۔ اسی اثنا میں سہیل کی بیوی کھانا لے آئی۔

"بی بی! آپ بے فکر ہوجائیں۔ مجھے اپنے گھر کا ایڈریس بتائیں۔ میں سب کچھ معلوم کرلوں گا۔"

"یہ تو محفوظ ہوگئی۔ میرا کیا ہوگا۔" اشتر کو فوراً" اپنی فکر نے آگھیرا۔

"تمہارے سیٹھ کو تو میں دو جھانپڑ اور ماردوں۔ فی الحال ڈٹ کر کھانا کھاؤ اور آرام سے سوجاؤ۔ صبح میں پتا کرتا ہوں۔"

"میری امی کا پتا نہیں کیا حال ہوگا۔" وہ تڑپ رہی تھی۔

"اللہ سے اچھی امید رکھیں' سب بہتر ہوگا۔" اسے تسلی جھوٹی لگی تھی۔

رات بھر بے چین رہی۔

☼ ☼ ☼

اسے شام تک بڑی بے چینی تھی۔ سہیل کا انتظار تھا۔

"کک۔۔۔ کچھ معلوم ہوا۔" اسے فکرمند سا دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔

"فی الحال آپ کا گھر نہیں ڈھونڈ سکا۔" وہ اس سے نظریں چرا گیا۔

بہانے سے اشتر کو باہر لے گیا۔

"یار! وہاں تو کہانی عجیب ہوگئی۔ باپ نے زہر کھا کر خود کو ہلاک کرلیا۔ ماں کسی کو بتائے بغیر گھر چھوڑ گئی۔ اب اسے کیا بتائیں؟"

"اور۔۔۔ اور سیٹھ؟؟" اسے اپنی پڑی تھی۔

"اسے تو میں نے خود دیکھا ہے۔ بھلا چنگا گاڑی میں بیٹھا سگار پی رہا تھا۔"

"میں تو مارا گیا۔" وہ بے حد پریشان ہوگیا۔

"کیا خبر قدرت نے کیا سوچا ہے۔ کسی بے سہارا کی مدد کی۔ اس کا اجر ملے گا۔"

"خاک ملے گا۔ اجر کے چکر میں ملازمت بھی گئی۔ گھر سے نکلنے سے پہلے سوچ تو لیتی۔"

اسے رباح پر نئے سرے سے غصہ آیا۔ جس کی وجہ سے اسے ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اور ملک سے باہر جانے کا موقع بھی ہاتھ سے گیا۔

دونوں اخبارات کا جائزہ لے رہے تھے۔ سیٹھ نے کسی بھی اخبار میں کوئی خبر نہیں دی تھی۔ اس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

"جاکر معافی مانگ لو۔" سہیل نے مشورہ دیا۔

"اتنا بے غیرت نہیں۔ ملازمت گئی' تو گئی۔ اب دیکھیں قسمت کیا کرتی ہے۔" ہاتھ کی ہتھیلی پر نگاہ جمائی۔

"شکر ہے وہ زندہ بچ گیا۔ ورنہ قاتل کہلاتا۔ میرا ضمیر مجھے تاحیات بے چین کیے رہتا۔"

"اسے کس طرح بتایا جائے۔" سہیل کو یہ ہی فکر تھی۔

"اس کا ذکر مت کرو۔" اسے رباح سے بے حد چڑ ہو رہی تھی۔ اب وبال جان لگ رہی تھی۔

"کوئی جان پہچان ہے' جہاں اسے چھوڑا جائے؟"

سہیل ابھی تک اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"ایک آدھ دن کی بات ہوتی تو۔۔۔ یہ پوری زندگی کا معاملہ ہے۔"

"پوری زندگی۔۔۔ ویسے۔۔۔ خوب صورت بہت ہے۔"

"یہ ہی تو مصیبت ہے۔" اس کا حسن اشتر کو مصیبت لگ رہا تھا۔

"اب اس کی عزت بچانی ہے تو کسی ایسی جگہ تو پہنچا دیں کہ باعزت رہے۔"

"کہاں پہنچادیں؟" اس نے بے زاری اختیار کی۔

"میں کرتا ہوں کچھ۔" سہیل کو اس لڑکی پر ترس آرہا تھا۔ سہمی سہمی، خاموش، متورم آنکھیں۔

مگر کوئی حل نہ نکل سکا۔ اس کی امید دم توڑ رہی تھی۔ وہ دونوں بھی حوصلہ ۔۔۔ کھو رہے تھے۔

سہیل کی بیوی بھی خاموش تھی۔ وہ اس لڑکی وجہ سے پریشان تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ جلد از جلد اس گھر سے چلی جائے مگر دو دن گزر گئے، کہیں سے کوئی امید نہ بندھی۔

☼ ☼ ☼
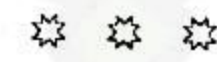
سب ناشتا کررہے تھے۔

اس نے صرف چائے پی۔ دوپٹا احتیاط سے اپنے گرد لپیٹا۔ سرو قد، نازک سی کانچ کی گڑیا جیسی وہ لڑکی وحشت زدہ اور پریشان نظر آرہی تھی۔

"آپ کا بہت شکریہ! مجھے پناہ دی۔ میری مدد کی۔"

ہلکی سی سسکی لی، جو اشتر کے دل پر برچھی کی طرح لگی۔

"کہاں جاؤ گی؟" بے چینی سے پوچھا۔

سہیل نے چونک کر اشتر کو دیکھا۔

"میں بندوبست کررہا ہوں۔" چند دن انتظار کرلو۔" سہیل نے کہا۔

"بہت شکریہ بھائی! آپ کا بہت احسان ہے۔"

" تھوڑا احسان اور لے لو۔ اندر چلی جاؤ کمرے میں۔"

سہیل کے انداز پر اس کی ڈھارس قدرے بندھی مگر رونا آگیا۔ اس کی حالت دیکھ کر سہیل نے ایک دو جگہ فون کیے۔ پھر یک دم ہی اسے یاد آیا۔ مسز نیلوفر ذیشان خان زادہ کو اپنی ساس کی نگہداشت کے لیے کسی خاتون کی ضرورت ہے۔

"مجھے ابھی لے چلیے!" وہ بے تابی سے بولی۔

"وہاں کسی کو اپنی کہانی سنانے کی ضرورت نہیں۔" اشتر نے سمجھایا۔ اس نے سر ہلایا۔

"فیملی اچھی ہے۔ وہاں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" سہیل نے ہمت بندھائی۔

سہیل اسی شام اسے وہاں لے گیا۔

مسز خان زادہ کا گھر کافی شان دار تھا۔

مسز خان زادہ نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔

"آپ کی جان پہچان والی ہے تو پھر بہتر ہی ہوگی۔ مگر غضب کی حسین ہے۔" جواباً" سہیل خاموش رہا۔ اس بات پر کیا کہا جاسکتا تھا۔

نیلوفر گوری رنگت کی دبلی پتلی تراشیدہ بالوں والی خاتون تھیں۔ وہ مل اونر کی بیٹی تھیں، مگر غرور نام کو نہ تھا۔ میاں سرکاری عہدے دار تھے۔ وہ خود بھی کئی رفاہی ادارے چلا رہی تھیں۔

"میری ساس کو شکایت کا موقع مت دینا۔" وہ اسے اپنی ساس کے کمرے میں لے آئیں۔

نیلوفر کی ہدایت پر اس نے دھیمے سے سر ہلایا۔ تنخواہ اچھی خاصی تھی۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے اتنے سارے پیسے کہاں ایک ساتھ دیکھے تھے۔

"اماں! دیکھیے کتنی پیاری لڑکی ہے۔ یہ آپ کے ساتھ رہے گی۔"

اماں نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

"اچھی لڑکی ہے۔ آپ کی دیکھ بھال کرے گی۔" انہوں نے پھر اسے گھورا۔

"میں پوری کوشش کروں گی کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ دوں۔" اس نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"کیا نام ہے؟"

"رباح۔"

"اماں کی عادت کو سمجھ لوگی تو آسانی ہوجائے گی۔" وہ سر ہلا کر ہدایات سن رہی تھی۔ دل اپنی ماں میں اٹکا تھا۔ دنیا میں رہی کہ نہیں، آہ کیسی مجبوری ہے کس سے معلوم کروں۔

"اماں! یہ تنہا ہے، ماں، باپ نہیں ہیں اس کے۔"

اماں کو پتا نہیں رباح کیوں نہیں اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اسے مسلسل ناگواری سے گھور رہی تھیں۔

"تم یوں کرو۔ سب سے پہلے نہا کر کپڑے بدل لو۔" انہوں نے اسے اپنی ساس کی گھورتی نگاہوں سے بچایا اور ساتھ ہی کاٹن کا ایک سوٹ اسے پکڑا دیا۔

"اپنے آپ کو ذرا ڈھانپ کر رکھنا۔" تھوڑی سی ہدایت کی۔

"اماں کو ایڈجسٹ کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ مگر تم پریشان نہ ہو۔" نیلوفر نے اسے تسلی دی۔

نہا کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ ابھی بال سنوار رہی تھی کہ نیلوفر آگئیں۔

"اماں کے ساتھ والا کمرا تمہارا ہے۔ فریج میں پھل وغیرہ موجود ہوتے ہیں، تم بے تکلفی سے استعمال کرسکتی ہو۔" انہوں نے فراخدلی دکھائی۔

"آپ بہت اچھی ہیں باجی!" اتنی محبت پا کر وہ ہچکیوں سے رودی۔

"سہیل بھائی نے ضرورت مند کہہ کر بات ختم کردی تھی۔ آپ نے بھروسا کرلیا، مگر میں آپ سے کچھ نہیں چھپا سکتی۔ میری اصل کہانی یہ ہے باجی کہ مجھے تحفظ چاہیے۔" نیلوفر کرسی پر بیٹھی تھیں۔ وہ وہیں پاؤں کے پاس بیٹھ گئی اور اپنی داستان غم سنا ڈالی۔ نیلوفر دنگ تھیں۔ اشتر نے اصل کہانی بتانے سے منع کیا تھا مگر اس نے کہہ سنائی۔

"آپ مجھ پر بھروسا کرسکتی ہیں، میرا اور کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

"تم بے فکر ہوجاؤ۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھ سے جو ہوسکا، کروں گی۔ پڑھی لکھی ہو، کوئی اچھی جاب ہوئی تو ضرور بتاؤں گی۔"

"مجھے یہاں سے کہیں نہیں جانا۔" اس نے منت کی۔

"تم جب تک چاہو، یہاں رہ سکتی ہو۔" نیلوفر نے فراخدلی دکھائی۔

"اچھا ہوا تم نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ تمہارے ساتھ کوئی زیادتی ہوجاتی تو۔۔۔ مجھے شرمندگی ہوتی۔"

☼ ☼ ☼

نیلوفر آج کل زیادہ مصروف ہوگئی تھیں۔ این جی او کے تحت بے سہارا خواتین کے لیے رہائش کا انتظام اور ان کو ہنر سکھا کر کام دلانے کی دھن سوار تھی۔ رباح بھی بے سہارا ہے مگر اسے اپنے گھر میں رکھ کر وہ اس کی طرف سے مطمئن ہوگئی تھیں کہ اسے سہارا مل چکا ہے۔ وہ بھی ان کی بہت ممنون تھی، خدا کا شکر بھی ادا کرتی۔ مگر ماں کے بارے میں جاننے کو بے چین تھی۔ ان کا خیال آتے ہی دل کٹ کر رہ جاتا، نیلوفر کا گھر بھی دور دراز علاقے میں تھا۔ وہ راستوں سے ناواقف تھی۔ ورنہ ایک دفعہ گھر جا کر ضرور معلوم کرتی۔ نیلوفر سے بھی بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

وہ اپنے بال بنا رہی تھی۔ دراز ریشمی گھنے بال جو ہاتھوں میں نہیں آتے تھے۔

"ماں کتنے پیار سے ان بالوں کو سنوارتی تھی ماشاء اللہ کہہ کر سر چوم لیتی" وہ سوچوں میں گم تھی۔

"رباح! پلیز ذرا ادھر آنا۔" نیلوفر نے اسے پکارا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھیں۔ وہ کیچر بالوں میں اٹکا کر تیزی سے باہر نکلی۔

"پلیز ذرا یہ اٹھا لو۔ باہر گاڑی تک پہنچانا ہے۔" تھیلا کافی وزنی تھا، جسے اٹھانے میں اسے کافی دشواری ہورہی تھی۔ لینڈ کروزر کھڑی تھی۔ چند مرد اور خواتین بھی موجود تھیں۔ اس نے کسی کی جانب نہیں دیکھا۔

"ہائے کیسے غضب کے بال ہیں۔"

"کتنی بیوٹی فل ہے۔"

اسے دیکھتے ہی کچھ ملی جلی آوازیں آئیں۔ ایسے

بے تکلفانہ تبصرے سن کر وہ بری طرح گھبرا گئی اور گھبراہٹ میں سیڑھیوں پر توازن برقرار نہ رکھ پائی اور تھیلے سمیت نیچے فرش پر جا پڑی۔ سر گاڑی سے جا ٹکرایا۔ آنکھوں کے آگے ستارے ناچ گئے۔ شرمندگی کے احساس سے نظریں جھک گئیں۔ کسی نے اسے لپک کر اٹھایا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئی۔

اشتر! ہمیشہ سے میرا مددگار!

"شش۔ شکریہ۔" اسے دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔ پیشانی پر گومڑ سا ابھر آیا تھا۔

"چوٹ تو نہیں آئی؟" گردن میں کیمرا ڈالے ایک شخص اس کے سراپے کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"مسز ذیشان! ایک تصویر لے سکتا ہوں ان کی؟" اس نے نیلوفر کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا پھر اس کا جائزہ لیا۔

وہ فیروزی رنگ کا ہلکی کڑھائی والا سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ جو نیلوفر کی اترن تھا' بالوں میں سرخ کنگھی پھنسی تھی۔

"ضرور لو بھئی!" نیلوفر نے فراخ دلی سے اجازت دی۔ اس سے پوچھا ہی نہیں۔ اس کی دو تین تصویریں لے لیں۔ اشتر نے انتہائی ناگواری سے تصویر کھینچنے والے اور تصویر کھنچوانے والی کو دیکھا۔ کیوں۔۔۔ وہ خود بھی نہ سمجھ سکا۔ وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔

"یہ اتنی خوب صورت لڑکی کون ہے؟"

"اماں کی دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے۔" "شرم کرو اتنی خوب صورت لڑکی سے ساس کے کام کرواؤ گی۔" مسز حامد حیران تھیں۔

"ضرورت مند ہے۔"

اشتر نے اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ رباح۔۔۔ اس لڑکی کی وجہ سے اسے اپنے سنہری مستقبل سے ہاتھ دھونے پڑے۔ ورنہ اس وقت امریکہ میں ہوتا۔

ادھر وہ یہ سب سوچ رہا تھا اور ادھر وہ اندر اس کے لیے دعاگو تھی اللہ اسے کسی پریشانی میں مبتلا نہ کرے۔

☼ ☼ ☼

"رباح! ذرا ڈرائنگ روم میں آنا۔" نیلوفر کی پکار سنائی دی۔ وہ اماں کی چوٹی باندھ کر فارغ ہوئی تھی۔ شاندار ڈرائنگ روم میں دو صاحب بیٹھے تھے۔ ان میں ایک وہ بھی تھا۔ جس نے اس دن رباح کی تصویر کھینچی تھی۔

وہ ٹھٹک گئی۔

"یہ جنید آفندی ہیں۔ مشہور ایڈورٹائزنگ کمپنی کے مالک۔ تمہیں ایڈ کے لیے منتخب کیا ہے۔" نیلوفر نے تعارف کے ساتھ ہی اطلاع دی۔

"فوٹو جینک فیس ہے تمہارا۔" تعریفی نظریں اس پر ڈالنے کے بعد نیلوفر کی طرف متوجہ ہوئے۔

"مسز ذیشان! آپ نے مجھے بہت حسین چہرے دیے۔ مگر یہ تو کمال ہو گیا۔" جنید آفندی نے ستائش بھرے جملے بولے اور پھر گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

"مجھے یہ کام نہیں کرنا۔" وہ گھبرا گئی۔ آفندی کی نگاہیں یوں محسوس ہو رہی تھیں جیسے جسم کے آرپار دیکھ رہا ہو۔ وہ اس وقت گلابی جدید تراش کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ جس کا گلا تھوڑا کھلا تھا۔ نیلوفر نے فراخدلی سے اپنے کئی جوڑے اسے بخش دیے تھے۔ جنید کے اس طرح دیکھنے پر اس نے دوپٹا لپیٹ کر اوڑھ لیا۔

"شہرت خود چل کر تمہارے پاس آئی ہے بے وقوف! کہاں سے کہاں جا پہنچو گی۔"

نیلوفر کا یہ بولنا۔۔۔ اسے کچھ ناگوار گزرا۔

"اچھے گھر کی لڑکیاں میرے توسط سے جاتی ہیں۔ والدین کو مجھ پر بھروسا ہے۔ کوئی غلط کام نہ ہوگا۔ بلکہ تمہاری حفاظت ہوگی۔"

وہ اسے چمکار رہی تھیں۔ "معاشرے میں میری عزت ہے۔"

"تم معاہدے پر دستخط کرو۔ کچھ باؤنڈ ہونا پڑے گا۔ جب تک میری اجازت نہیں ہوگی' کسی اور کے

لیے کام نہیں کر سکو گی۔" جنید آفندی نے فوراً کاروباری انداز اختیار کیا۔

"اس کی فکر مت کرو جنید!" رباح کے بجائے نیلوفر نے جواب دیا۔ "لانے لے جانے کی ذمہ داری تو میری ہوگی۔"

"پک اینڈ ڈراپ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔" جنید نے آفر کی۔ "قریب ہی تو رہتا ہوں۔"

"بہت لکی ہو۔" نیلوفر ہنس دی۔

وہ حیران پریشان تھی۔ اسے جو رقم مل رہی تھی' وہ تو خواب میں بھی نہ سوچی تھی۔

اس کا پہلا کمرشل ٹی وی پر چل پڑا۔

نیون سائن بل بورڈز' رسالوں میں' اخباروں میں' سب جگہ دھوم مچ گئی۔ اشتر نے اخبار میں بڑا سا اشتہار دیکھا۔ اس کا جی چاہا' سر پھوڑ لے اپنا۔ جھنجھلا کر اخبار پھاڑ ڈالا۔

"مجھے فقیر بنا کر خود مزے اڑائے گی۔" وہ تلملا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ٹی وی کے قریب پونچھا لگا رہی تھی۔ ٹی وی پر نظر پڑی تو چکرا کر رہ گئی۔

گھنیرے بالوں کے ساتھ وہ حسین چہرہ پل بھر کے لیے اسکرین پر نمودار ہوا شیمپو کا اشتہار تھا۔

"رباح۔۔۔"

بمشکل اپنے سن ہوتے وجود کو اٹھایا۔

وہ دل تھامے بے آواز رو رہی تھی۔

"یا اللہ۔۔۔ پتا نہیں' کن ہاتھوں میں ہے۔ نذر محمد! اللہ تجھے کبھی نہ بخشے گا۔ جانے میری بچی جانے کس حال میں ہوگی۔"

وہ کلیجہ تھامے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ میں نے اسے کھو دیا۔ شکر ہے زندہ ہے۔ خداوندا اس کی عزت کو محفوظ رکھنا۔

سلطانہ نے بڑی ہمت کر کے خود کو اٹھایا۔ رہنے کو آمرا مل گیا تھا۔ بیگم صاحبہ کے بڑے بیٹے نے چینل بدل دیا۔ سلطانہ بے چین ہو گئی۔ "بیٹا! وہی اشتہار لگا دو۔" آج پہلی مرتبہ فرمائش کی۔ رباح کو دیکھنے کا جی چاہ رہا تھا۔

ایک لمحے بعد ہی ڈرامے میں وقفہ آگیا۔ نئے ایڈ بار بار دکھائے جانے لگے۔

"رباح ہی ہے۔" وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

اخبار میں بڑا سا اشتہار چھپا تھا۔

"بیگم صاحبہ! اخبار لے لوں۔"

ان کا اشارہ پاتے ہی بے تابی سے اخبار کو سینے سے لگا لیا۔ "رباح' میری رباح۔۔۔ میں تجھے یاد رہی کہ نہیں۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی گنوا دی۔"

وہ آہ و بکا کرتی اور رب تعالیٰ سے اس سے ملنے کی دعا کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اسے کافی رقم ملی تھی۔ سب سے پہلے موبائل لیا۔ بچوں نے استعمال کرنا بھی سکھا دیا۔ کچھ نئے کپڑے بھی بنائے تھے اور گھر میں بھی سب کے لیے کچھ نہ کچھ خریدا تھا۔

ماں کا خیال آیا تو دل بھر آیا۔ وہ ان کا حال جاننے کے لیے بے قرار تھی۔ نیلوفر سے دبی دبی زبان سے اپنے گھر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مگر وہ ٹال گئیں۔

اس نے شاپنگ کے دوران اپنے لیے اسکارف اور عبایا خریدا تھا۔

اس اشتہار کے بعد اسے اور آفر ہوئی تھیں' مگر معاہدے کے مطابق ابھی وہ صرف جنید آفندی کے ساتھ کام کرنے کی پابند تھی۔ جنید کے دیکھنے کا انداز اس کے رگ و پے میں سنسنی پھیلا دیتا۔ اس کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے۔ جنید آفندی کا والہانہ پن بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے انداز اسے بے حد پریشان کر رہے تھے۔ جی چاہتا تھا کہیں چھپ جائے۔ اس کے مطالبے روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔

"باجی! بہت سے لوگ آفر کر رہے ہیں۔" ریمپ پر ماڈلنگ کی آفر آئی تھی۔ ایک روز ہمت کر کے نیلوفر سے کہہ دیا۔

"تم زیادہ سے زیادہ دولت کمانا چاہتی ہو؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے آفندی سے خوف آتا ہے۔" سچ بات کہہ ہی دی۔

"تمہاری کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔ ظاہر ہے کچھ تو حق بنتا ہے اس کا بھی۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

نیلوفر اس کے بچپنے پر مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

اسکارف سے چہرا اچھی طرح چھپایا۔ رکشا روک کر آنے جانے کا کرایہ طے کیا اور سوار ہو گئی۔ دل بے حد دھڑک رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں سنسنا رہے تھے۔ اچھی بری دونوں خبریں مل سکتی تھیں۔ اس کی بے تابی حد سے بڑھ گئی تھی۔ جب تھوڑی سوجھ بوجھ آ گئی تو ایک دن اس نے موقع سے فائدہ اٹھالیا۔

گھر جیسے جیسے قریب آ رہا تھا۔ دل کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی۔ تنگ گلیاں شروع ہو گئیں۔

"یہیں روک دو بھائی۔"

کانپتے ہاتھ، دھڑکتے دل کے ساتھ کنڈی بجائی، دو تین بار بجانے کے بعد کوئی بڑبڑاتا ہوا کنڈی کھول رہا تھا۔

اجنبی چہرہ۔۔۔

"یہاں نذر محمد اور ان کی بیوی سلطانہ رہتے تھے۔"

شدت جذبات سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"یہاں تو میں رہتا ہوں تم کون؟" فوراً ہی سوال داغا۔

"وہ کہاں گئے؟" اس کا سوال نظر انداز کر گئی۔

"نذر محمد نے سنا ہے خودکشی کر لی۔ بیوی کہیں منہ چھپا کر روپوش ہو گئی۔ دراصل ان کی بیٹی بھاگ گئی تھی اپنے عاشق کے ساتھ۔"

"آہ!" وہ لڑکھڑائی۔

"تو یہ کہانی بن گئی۔" اس کی ہمت جواب دے گئی۔

لڑکھڑاتے قدموں سے وہ دوبارہ رکشے میں بیٹھ گئی۔ رو رو کر برا حال تھا۔

"پتا نہیں کہاں چلی گئی میری ماں۔ کہاں ڈھونڈوں؟" تڑپتے بلکتے رات گزر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میری بچی! تیرا پتا ٹھکانہ کس سے پوچھوں؟" سلطانہ بہت بے قرار تھی۔

"اپنے حواس قابو میں رکھنے چاہیے تھے مجھے۔ اسے باہر نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔" اسے بے حد پشیمانی تھی۔

نذر محمد کے زہر پیتے ہی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چھت مجھ پر گر جائے گی۔ تیری گمشدگی پر طرح طرح کے سوال اٹھتے۔ کس کس کا جواب دیتی۔ منہ چھپا کر تجھے ڈھونڈنے نکلی تھی۔ پر تو جانے کہاں چلی گئی تھی۔ میری بچی! تیری ماں بے قصور ہے۔" وہ اخبار کو سینے سے بھینچے تڑپ رہی تھی۔

"میری معصوم بچی۔۔۔ اللہ اس کی حفاظت فرمانا۔" اس کی تصویر کو بے قراری سے چوم رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت کم عرصے میں شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگی۔

"جنید آفندی نے پرپوزل بھیجا ہے۔" نیلوفر نے دھماکا کیا۔

"نن نہیں باجی۔۔۔ مجھے اپنی ماں کو تلاش کرنا ہے۔ میں یہ فیلڈ چھوڑ دوں گی۔"

"ترقی کے راستے کھلتے جا رہے ہیں۔ کیسے چھوڑ دو گی؟"

"بہت دولت کمالی ہے۔ مجھے زیادہ کی تمنا نہیں ہے۔" وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

"دولت تمہارے پاس خود چل کر آ رہی ہے ناشکرا پن مت کرو۔" انہوں نے جھاڑا۔

"جنید آفندی سے شادی نہیں کر سکتی، کبھی نہیں۔" اسے جھرجھری آ گئی۔ اس کے متعلق سب کچھ جان چکی تھی۔

وہ صرف اشتر کو اپنے دل کے آس پاس منڈلاتے دیکھتی تھی۔ صرف اسی کے ساتھ، معمولی ڈرائیور کو جس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

میری عزت بچانے والا۔ تحفظ دینے والا۔ اسی کی وجہ سے میں یہاں تک پہنچی۔ وہ ہی میرے جذبوں کی ابتدا ہے، وہی انتہا ہے۔۔۔ مگر جانے کہاں ہے۔" گاڑی میں بیٹھے ہر ڈرائیور پر اس کی نگاہ ہوتی۔ شاید وہ ہو۔

اس روز وہ کس کا ڈرائیور تھا۔ چاہتے ہوئے بھی نیلوفر سے پوچھ نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

وہ جب بھی شاپنگ پر جاتی، عبایا پہن کر جاتی۔ اس طرح لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی عبایا پہنے ہوئے تھی۔

چند ریڈی میڈ سوٹ خریدے اور سینڈلوں والے کارنر پر آ گئی۔

"مما! مجھے دو شوز لینے ہیں۔" ایک موٹی سی بچی ٹھنک رہی تھی۔

"ہاں جان۔۔۔ تم تین لے لو۔" اسی طرح کی اس کی موٹی مما بھی صدقے واری ہو گئیں، اسی لمحے ان کا موبائل بج اٹھا۔

"اوف۔۔۔ اسے بڑی بے چینی ہو رہی ہے۔" نمبر دیکھ کر بڑبڑائیں۔ بٹن دبا کر موبائل کان سے لگایا۔

"تم پریشان نہ ہو۔ صاحب سے میری بات ہو گئی ہے۔ کسی دوست کے ساتھ گھر چلے جائیں گے۔ تم ہمارے ساتھ رہو گے۔ اور یہاں آ کر شوز والے کارنر سے ہمارے پیکٹ اٹھا کر گاڑی میں رکھو۔"

جس کو ہدایت دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ چلا آیا۔

"اشتر۔۔۔" وہ بے آواز چلائی۔

وہ چار، پانچ پیکٹ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھے بنا چلتا بنا۔ وہ بے قراری سے اس کے پیچھے لپکی۔

وہ کافی آگے تک چلا گیا تھا۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے بھاگتی کئی لوگوں سے ٹکرائی۔

"اشتر!" اس کے برابر پہنچ کر چلائی۔ "اشتر! پلیز رکو۔ میں رباح۔ رک جاؤ۔" اس نے ان سنی کر دی۔

"وہاں جان۔" وہ بڑبڑایا۔ قدم اور تیز کر دیے۔ وہ سامنے آ گئی تو اسے رکنا پڑا۔ "اب کیا پرابلم ہے؟"

"تمہارا ایڈریس چاہیے" اس نے ایک نظر اسے دیکھا۔

سامان کے شاپرز جلدی جلدی ٹھونسے اور خود کو گاڑی میں مقید کر لیا۔

اس کی بے اعتنائی پر وہ سسک کر رو پڑی۔ شیشہ بجانے لگی۔ کیسی لاچار و مجبور لگ رہی تھی۔

"ملک کی مشہور و معروف ماڈل ہے۔ اب اسے مجھ سے کیا غرض؟" وہ حیران تھا۔ مگر اس پر بے تحاشا غصہ بھی آ رہا تھا۔

"کیا پرابلم ہے۔" دانت پیستے شیشہ نیچے کیا۔

"میں تمہیں کب سے تلاش کر رہی ہوں۔ میری بات تو سن لو پلیز۔" وہ منت کر رہی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے تر بتر تھیں۔ پوری کی پوری لرز رہی تھی۔ اشتر کے ملنے کی خوشی، مگر اس کی بے مروتی انتہا پر تھی۔

"کیا مسئلہ ہے؟ اب یہ جاب بھی چھڑوانی ہے کیا؟"

"مجھے تمہارا ایڈریس چاہیے۔ تم نے اتنے احسان کیے۔"

"اب تم مجھ پر ایک احسان کر دو۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"تم۔۔۔ میرے لیے بہت اہم ہو۔"

"محترمہ! میں ایک معمولی ڈرائیور ہوں۔ سرونٹ کوارٹر میں رہتا ہوں۔ آپ ہزاروں میں کھیلنے والی۔" وہ طنزیہ بولا۔

"تب بھی تم، میرے لیے بہت اہم ہو۔"

"ہونہہ۔۔۔" اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"ایک سے ایک امیر مل جائے گا۔ بلکہ مل بھی گیا ہوگا اور ایک کیا۔"

"اشتر خدا کے واسطے۔" وہ تڑپ اٹھی۔ اس کے دونوں ہاتھ ابھی تک جڑے تھے۔

"تماشا نہ بناؤ پلیز۔ لوگ دیکھ رہے ہیں' بیگم صاحبہ بھی آتی ہوں گی۔ تم جاؤ۔" اس نے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے۔

"میری بات سن لو میں مر جاؤں گی۔"

"تو مر جاؤ۔" وہ بے انتہا سفاک ہو رہا تھا۔

وہ سن ہو کر رہ گئی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ اتنا کٹھور ہو سکتا ہے۔ وہ آنسو پونچھتی پلٹ گئی۔

"اسے مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے۔" ویو مرر سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ سسکتی رکشے میں بیٹھ رہی تھی۔

"اس نے گاڑی نہیں خریدی۔ ڈرائیور چاہیے ہوگا اسے۔ یعنی میں ڈرائیور کا ڈرائیور رہوں۔ اتنی تعلیم کے باوجود ڈھنگ کی ملازمت نہیں ملتی۔" وہ دلبرداشتہ تھا۔

"آخر کیوں مجھ سے ملنا چاہتی تھی؟" اس کی سوئی پھر وہیں اٹکی۔

"کیا کروں ملوں کہ نہ ملوں۔" وہ تذبذب کا شکار ہوا۔

بالآخر اس کی سسکیاں' آنسوؤں میں تربتر آنکھیں اس کے دل کے آس پاس نرم گوشہ بناتی رہیں۔ اس نے اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں پارک کے نسبتاً" ایک تنہا گوشے میں آ بیٹھے تھے۔

مگر اس کے مزاج میں ایک تناؤ تھا۔

"کیا کام ہے؟"

"مجھے تمہاری مدد چاہیے۔"

"جلدی بتاؤ۔"

"تم میرے سارے کام سنبھالو۔" اس کی خوشی قابل دید تھی۔

"تمہارا ملازم بن جاؤں؟" تیکھے لہجے میں سوال داغا۔

"نن۔۔ نہیں۔۔۔ محافظ۔" وہ ہکلائی۔

"مطلب۔۔۔ سیکورٹی گارڈ۔۔۔" وہ تلملایا۔ اس کی عزت بچاتے ہوئے اپنا مستقبل خاک کر چکا تھا۔ اسے پھر یاد آیا۔

"اس سے بھی بڑھ کر۔" اس کا انداز حیا آمیز تھا۔ مگر وہ اس کے انداز پہچان نہیں رہا تھا۔ یا جان کر کے نظر انداز کر رہا تھا۔

"صاف صاف بات کرو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم کیا کہہ رہی ہو۔" وہ قطعی متاثر نہ ہوا۔

"مجھے دنیا کے کسی مرد پر بھروسا نہیں' سوائے تمہارے۔"

"ہاں۔۔ وہ تو میں ہوں گدھا۔" لہجے میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ "تم کام بتاؤ! میرے پاس وقت کم ہے۔"

تھوڑا سا نقاب سرکائے وہ اس کے حواسوں پر چھا رہی تھی۔ موتی سے دانتوں کی قطار بار بار مسکراہٹ سے نمایاں ہو رہی تھی۔

شفق کی سرخی رخساروں پر لیے ہاتھوں کی نازک انگلیاں باہم ایک دوسرے میں پھنسائے وہ بڑی مشکل سے بول رہی تھی۔

"میں تمہاری وجہ سے اس مقام پر ہوں۔"

"اب بس کرو' یہ ہی کہنے کے لیے بلایا تھا۔" اس نے بات کاٹ دی۔ تیوری کے بل درست ہی نہیں ہو رہے تھے۔

وہ سب کچھ کہنا چاہتی تھی' مگر حیا دامن گیر تھی۔ وہ کیوں نہیں سمجھ رہا؟

"کتنی تنخواہ دو گی؟" اس نے ایک دم پینترا بدلا۔

"ساری کی ساری۔" وہ چونکا۔

"اندازہ ہے کیا کہہ رہی ہو' دماغ درست رکھو۔ میں اس قماش کا نہیں ہوں۔ جانے کون کون لوگ اس فہرست میں ہیں۔" اس کا لہجہ مزید ترش ہوا۔

"میری توہین مت کرو۔ کوئی بھی فہرست میں نہیں۔ کیوں اتنا شک کر رہے ہو۔" اسے بھی غصہ آ گیا۔ ساتھ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"واپس چلو۔"

"میری بات کا جواب تو دیا نہیں۔"

"کیا مصیبت ہے۔ اس نوکری سے بھی نکلواؤ گی تم؟"

"میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔" وہ روہانسی ہوئی۔

وہ پریشان ہو گئی۔ اسے کھل کر کیسے کچھ بتائے۔ پرپوزل کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ اور دل لگی کرنے والے بھی جمع ہو رہے تھے۔ وہ خود کو بچاتے بچاتے پریشان ہو گئی تھی۔ اور یہ درجہ اشتر کے علاوہ کسی کو دینے کو تیار نہ تھی۔ اسے اس بات کی پروا نہ تھی کہ وہ ایک ڈرائیور ہے۔ اس کی شرافت نے کسی اور سے متاثر ہونے نہ دیا۔

"اشتر! میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔" وہ شرم سے مری جا رہی تھی' پھر بھی کہہ ہی دیا۔

وہ حیران رہ گیا۔ "پاگل ہو گئی ہو کیا۔ لوگ کیا کہیں گے؟"

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔" بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ "مجھے سب کی نظروں سے دور لے جاؤ۔"

"تم بہت بلندی پر ہو۔ میں ایک ڈرائیور۔۔۔"

وہ کسی طرح قائل نہ ہو رہا تھا۔

"میں نے کہا نا' مجھے کسی بات کی پروا نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہر قسم کے حالات میں رہ سکتی ہوں۔"

"تم مجھے کتنا جانتی ہو؟"

"ہزار سال سے بھی زیادہ۔۔۔ تم میرے مددگار ہو' میرے محافظ ہو۔" وہ حیران رہ گیا۔

"اس وقت میری جگہ کوئی بھی ہوتا ایسے ہی مدد کرتا۔"

"تم خود جانتے ہو کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ پورے وثوق سے بولی۔

"تم جذبات میں بہہ رہی ہو۔"

"پلیز بلاوجہ کی تاویلیں مت دو۔ کسی مناسب وقت باجی کے گھر آ جاؤ۔" وہ بے چین تھی۔

"تم جو سوچ رہی ہو۔ ممکن نہیں' اتنی بڑی ماڈل ایک ڈرائیور کے ساتھ شادی۔۔ ناممکن۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہم کرائے کا فلیٹ یا کوئی چھوٹا سا گھر لے لیں گے۔" اس کے انکار کو نظر انداز کر کے اس نے مستقبل کا منصوبہ بنایا۔

"میں کرائے کا گھر یا فلیٹ افورڈ نہیں کر سکتا۔"

"تو ٹھیک ہے ہم سرونٹ کوارٹر میں۔۔۔"

"تم کس مٹی کی بنی ہو۔" اس نے غصے سے چلا کر کہا۔

"محبت کی مٹی سے۔" وہ اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کر رہی تھی۔

"اتنا پیسہ کمانے کے بعد مجھ میں کیا نظر آ گیا۔"

"روپے پیسے شہرت نے مجھے میری اوقات سے ہٹنے نہیں دیا۔ میں جذباتی فیصلہ نہیں کر رہی۔ تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ کتنی بار کہوں۔"

وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلانا چاہ رہی تھی' مگر وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ عجیب مشکل کا شکار تھا۔ یہ لڑکی دل کے نہاں خانوں میں گھستی جا رہی تھی۔ مگر وہ ایک ہوش مند انسان تھا۔

"ہمارے درمیان بہت فاصلے ہیں۔" اس نے سمجھایا۔

"نہیں ہیں فاصلے۔" وہ ماننے کو تیار نہ تھی۔

"میرا شمار عام ملازموں میں ہوتا ہے۔" اس نے پھر سمجھایا' حالانکہ دل اس کے ساتھ کے لیے مچل رہا تھا۔

"کتنی دفعہ کہوں اشتر! مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ زچ ہو کر رو پڑی۔

"سوچ لو۔ اب بھی وقت ہے۔ سرونٹ کوارٹر۔۔۔ چائے پاپے کا ناشتا۔" وہ اس کے موبائل میں اپنا نمبر فیڈ کرتے ہوئے مسکرا بولا۔

رباح نے بے اختیار سکون کا سانس بھرا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا دماغ خراب ہے۔ ایک ڈرائیور سے شادی کروگی۔ ملک کی مشہور و معروف ماڈل اور۔۔۔"

"اس شخص کے علاوہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی۔" اس نے ان کی بات کاٹی تھی۔

"کون سی فلمی کہانی بنانا چاہتی ہو؟" وہ بری طرح تلملا گئیں۔ "تمہاری سوچ جھونپڑی والی ہی رہی۔ اتنی بلندی پر جانے کے بعد کوڑے میں گرنا چاہتی ہو۔"

"یہ میری ذاتی زندگی ہے۔" اس نے انہیں جتایا۔

"میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ کوئی کام نہیں دے گا۔ بھوکوں مروگی۔" انہوں نے ڈرایا۔

"مجھے روکھی سوکھی کھانے کی عادت ہے۔" اس کے پاس ہر بات کا جواب تھا۔

"اس ڈرائیور کی محبت نے تمہیں بہت نڈر بنا دیا ہے۔" نیلوفر حیران تھیں۔ "ایک بار پھر سوچ لو۔ بہت جگ ہنسائی ہوگی۔"

"سوچ لیا۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔

☼ ☼ ☼

اخبار میں شائع خبر رباح نے پڑھی۔ کنپٹیاں سلگ گئیں۔ جی چاہا سب کو شوٹ کردے۔ مگر صرف پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"باجی! یہ خبر۔" اخبار نیلوفر کے سامنے پٹخا چہرہ غصے کے مارے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ نیلوفر نے اس کے تیور دیکھے اور لاپروائی سے شانے اچکائے۔

"ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔"

"میں نے تو صرف آپ کو بتایا تھا۔"

"بھئی! کیا کرتی تمہارے کچھ رشتے آئے تھے۔ مجھے ان لوگوں کو انکار کرنے کی معقول وجہ بتانی تھی۔ کہہ دیا کسی اور کو پسند کرتی ہے۔"

"معمولی ڈرائیور کہنا ضروری تھا؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"ہاں بہت ضروری تھا۔ عشق اندھا ہوتا ہے۔ اب شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب بھی وقت ہے۔ اس ڈرائیور کو بھگا دو۔" ان کا انداز تمسخرانہ تھا۔

"وہ میرا محسن ہے۔ اس نے مجھے تحفظ دیا تھا۔"

"ٹھیک ہے تو انعام میں کچھ رقم دے دو۔ شوہر بنانے کی کیا تک ہے؟" انہوں نے مشورے سے نوازا۔

"انعام ہی تو دے رہی ہوں۔" نیلوفر نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر چل دی۔

☼ ☼ ☼

"مشہور معروف ماڈل رباح کا ایک معمولی ڈرائیور سے معاشقہ۔" چٹپٹی خبر اخبار میں شائع ہوگئی۔ ساتھ ہی رباح کی تصویر تھی۔ سلطانہ نے دل پکڑ لیا۔

"یہ کیا ہوگیا رباح تجھے۔" رونے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ چکرائی چکرائی کام کر رہی تھی۔

"کس سے اس کا پتا پوچھوں۔ خدایا میری مدد کر کہ اسے روک سکوں۔ پتا نہیں کیسا انسان ہو۔ یقیناً لالچی ہوگا۔ اسے کوئی قابل انسان نہیں ملا۔ میں اس تک کیسے پہنچوں۔"

دونوں ماں بیٹی بے خبر تھیں۔ ان کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ تھا۔ نیلوفر کا مکان اور سکندر خان کا مکان آگے پیچھے گلیوں میں تھا۔

☼ ☼ ☼

شوٹنگ سے تھک کر آئی تھی۔ لوگوں کے طرح طرح کے سوالوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہاں بھی پریشانی تھی۔ یہاں مزید کیسے رہ سکتی ہے۔ ان کے تیور بھی بگڑ گئے تھے۔ اسی لیے وہ کسی کو اشتر سے ملانا نہیں چاہتی تھی۔ شادی بھی خاموشی سے کرنا چاہتی تھی۔

"کاش ماں مل جائے، خداوند کوئی تو ہو۔ ابھی غنودگی ہی میں تھی، موبائل بج اٹھا۔ اشتر تھا۔

"ہیلو!"

"تم نے اخبار میں خبر شائع کرادی۔" وہ ناراض تھا۔

"میں نے نہیں۔" پھر ساری تفصیل اسے بتائی۔ "اشتر! باجی کے گھر رہنا مشکل ہو رہا ہے۔ مجھے بہت جلد گھر تبدیل کرنا ہے۔ کوئی فلیٹ یا گھر کرائے پر۔"

"اوکے! میں کرتا ہوں بندوبست تم پریشان نہ ہو۔"

وہ مطمئن ہو کر سوگئی۔

☼ ☼ ☼

"زندگی کی آسائشوں کی عادت ہوگئی ہے تمہیں۔ اب وہ ڈرائیور کیا دے گا تم کو؟" وہ جنید آفندی کے ساتھ لنچ پر مدعو تھی۔

"اس موضوع کو ختم کیجیے۔" وہ اس پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کیسے ختم کروں۔ تم میری خواہش ہو، سمجھیں!" اس کے لہجے میں رعب کے ساتھ پیار بھی تھا۔

"ساری خواہشات پوری نہیں ہوا کرتیں۔" اسے مقابلہ کرنا خوب آگیا تھا۔

"زبردستی پوری کرلی جاتی ہیں۔" وہ بھی ضد پر اتر آیا تھا۔

"آفندی صاحب۔ پلیز۔۔۔"

"میں نے اتنی بلندیوں تک پہنچایا تو گرا بھی سکتا ہوں۔"

"آپ دھمکی دے رہے ہیں؟"

"خبردار کر رہا ہوں۔ اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ وہ عزت دار ڈرائیور تمہیں اپنا لے۔ غریبوں کو عزت بڑی پیاری ہوتی ہے۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں، امیروں کو عزت پیاری نہیں ہوتی؟"

"امیر تو ہوتا ہی عزت دار ہے۔ ایک غریب نوکرانی کو عروج پر پہنچا دیا۔" اس نے پھر جتایا۔

"مہربانی ہے آپ کی۔"

"میں تمہیں کام نہیں دوں گا مزید، کہیں اور کرنے کے قابل بھی نہیں چھوڑوں گا۔" وہ خباثت پر اتر آیا تھا۔

وہ لرز کر رہ گئی۔

"یہ آخری ایڈ ہوگا۔" جنید آفندی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"مجھے یہ بھی نہیں کرنا۔" وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔

"رقم۔۔۔؟"

"کون سی۔۔۔؟"

"جو تم پر خرچ ہوتی رہی ہے۔"

"لعنت بھیجتی ہوں اس رقم پر، ایک ایک پائی ادا کروں گی۔" وہ شدید غصہ ہوئی۔

"ڈرائیور پر لعنت بھیجو اور چلو میرے گھر۔ بہت شان دار طریقے سے تم سے شادی کروں گا۔" اسے غصے میں دیکھا تو فوراً" چاپلوسی اختیار کی، مگر اس پر اثر نہ ہوا۔ سنی ان سنی کرکے جانے کے ارادے سے قدم بڑھائے۔

"تمہارے عاشق کو تو میں چٹکی سے مسل دوں گا۔ جان عزیز ہے اس کی؟" اسے جاتے دیکھ کر وہ سلگ اٹھا، رقابت کی آگ نے اسے پاگل کر دیا یہ دھمکی سن کر اسے رکنا پڑا۔ وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے نزدیک آگیا۔ وہ ذرا پیچھے کو ہوگئی۔

"میرے بہت سے جاننے والے ہیں جو میری ناپسندیدہ شخصیت کو دنیا میں زیادہ دیر تک نہیں رہنے دیتے۔" وہ غرایا۔۔۔ وہ بے حد خوف زدہ ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

"اشتر! خدا کے واسطے! ابھی مجھ سے نہ ملنا، وہ مار ڈالے گا تمہیں۔" وہ بری طرح سسک اٹھی۔ گھر آتے ہی اس نے اشتر کو فون کیا۔

"کیا کہہ رہی ہو۔" اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

"اشتر! آفندی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"تو تم اس سے شادی کرلوگی۔" وہ ناراض ہوا۔

"زہر کھالوں گی۔" وہ رو رہی تھی۔

"فلمی جملے مت بولو۔" وہ ابھی تک ناراض تھا۔

"میں صحیح کہہ رہی ہوں۔ بس تم وہ کرو جو میں نے کہا ہے۔" اپنا فیصلہ سنا کر اس نے موبائل آف کر دیا۔ وہ کافی دیر تک تڑپتی سسکتی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا' کیا کرے۔

"اشتر کے بغیر تو میں مر جاؤں گی۔ اللہ! میری مدد کر۔"

دوسری طرف موبائل تھامے اشتر حیران پریشان کھڑا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آفندی نے آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لیے جو نیا ڈرائیور رکھا۔ وہ اشتر تھا۔ رباح نہیں جانتی تھی کہ اشتر نے جان بوجھ کر آفندی کے پاس نوکری کی یا آفندی نے اسے اوقات یاد دلانے کے لیے اشتر کو ڈرائیور رکھا۔ مگر اتنا ضرور تھا کہ وہ اشتر کے سامنے ہی رباح سے اپنے التفات کا مظاہرہ کر ڈالتا۔ اسے میں اشتر کی کن پٹیاں سلگ جاتیں۔ اور رباح زمین میں گڑ جاتی۔

رباح اشتر سے بات نہ کرتی۔ وہ بھی بظاہر اپنے کام سے کام رکھتا۔

"یار! بڑے خوب صورت ہو۔ ایٹی ٹیوڈ بھی ہے ایڈ کرو گے؟"

"نہیں سر۔" اس نے کورا جواب دیا۔

"ارے کیوں بھئی! ہینڈسم ہو۔ بہت جلد ترقی کرو گے۔" وہ آج فیاضی کے موڈ میں تھا۔ رباح اس کے پہلو میں بیٹھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"صاحب یہ گانے بھی گاتا ہے۔ بڑا سریلا ہے۔" الیکٹریشن حمید بولا۔

"کر لیجیے۔ اچھا رہے گا آپ کے لیے۔" اس کی مسلسل خاموشی پر رباح نے آہستگی سے کہا۔ اشتر نے تب بھی سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ مگر آفندی زور سے ہنس پڑا۔

"بھئی اب تو ڈن۔ ہماری جان نے کہہ دیا۔ سمجھ لو پتھر پر لکیر ہو گیا۔"

رباح یوں خوش ہو گئی گویا رہائی کی شاید پہلی سیڑھی پر قدم رکھ دیا ہو۔

"جب ٹیلنٹ ہے اور موقع بھی مل رہا ہے تو فائدہ اٹھاؤ۔ ہم بیٹھے ہیں نا آگے تک پہنچا دیں گے۔" آفندی بڑی موج میں آیا ہوا تھا۔ اشتر نے اب بھی کچھ نہ کہا۔ گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

☼ ☼ ☼

قسمت اس پر مہربان ہو رہی تھی۔ انسان کے اختیار میں کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا پہلا ہی اشتہار مقبول ہو گیا۔ آفرز کی لائن لگ گئی۔

ٹی وی پروڈیوسرز نے ڈرامے کی آفر کر دی۔ وہ اچانک ہی بہت مصروف ہو گیا۔ جب موقع ملتا آفندی کے پاس آ جاتا۔

"اب ہم دوست ہیں۔ تم میرے ڈرائیور نہیں رہے۔"

"لیکن آپ مجھے ہمیشہ تابعدار پائیں گے۔" وہ اوپری دل سے کہتا۔

اس دن وہ آفندی سے ملنے آفس آیا تو آفندی نہیں تھا' رباح اسی وقت کوئی کمرشل کر کے آئی تھی۔ اسے دیکھ کر رو پڑی۔

"اشتر! مجھے کہیں لے جاؤ۔ آفندی کے ساتھ محبت کا ڈراما کرتے میں تھک گئی ہوں۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

اس نے تسلی دی۔ وہ بھی جلد از جلد اس سے چھٹکارہ چاہتا تھا۔ ورنہ نظروں کے سامنے رباح کسی اور کی ہو جائے گی۔ وہ کچھ نہ کر سکے گا۔ دونوں کی زندگیاں برباد ہو جائیں گی۔

☼ ☼ ☼

رباح کو رہائش کی تلاش تھی اس نے اشتر سے مکان ڈھونڈنے کا کہہ دیا تھا۔ اب اس میں تنہا رہنے کی ہمت آ گئی تھی۔ اسے اشتر کے مضبوط سہارے کا آسرا تھا۔

رات کو جب موقع ملتا' اشتر اسے فون کرتا۔ وہ ڈھیروں باتیں کرتے' مستقبل کے منصوبے بناتے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔

اشتر ہی نے اسے بتایا کوئی بوڑھے میاں بیوی اپنا ایک پورشن کرائے پر ـــــ دینا چاہتے ہیں۔ اسے ایڈریس سمجھا دیا۔ اب اسے راستوں کی پہچان ہو گئی تھی۔ عبایا پہن کر نقاب کر کے مطلوبہ مکان پر پہنچ گئی۔

"جی فرمائیے۔" بوڑھے ایاز علی نے عینک کے موٹے موٹے شیشوں کے پیچھے سے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ ادھیڑ عمر صالحہ بیگم بھی قریب آ گئیں۔ ساڑھی زیب تن کیے کھچڑی بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ ایک باوقار نفیس سی خاتون لگ رہی تھیں۔

"مجھے کرائے پر پورشن چاہیے۔" اس نے مدعا بیان کیا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" انہوں نے اسے بہت غور سے دیکھا۔

اس نے مختصراً اپنے بارے میں بتایا۔ انہیں اس کے کام پر تھوڑا اعتراض ہوا مگر اس نے یقین دلایا کہ انہیں اس کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں اٹھانی پڑے گی۔ وہ دونوں میاں بیوی تھوڑی سی پس و پیش کے بعد مان گئے۔

"چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔" وہ خوش ہوئی بہت۔

اسے ایک ہفتہ ہو گیا تھا یہاں آئے ہوئے۔ اس دوران ان دونوں میاں بیوی کے وہ خدشات جو رباح کی فیلڈ کے حوالے سے تھے' دور ہو گئے۔ خود رباح بھی اعتبار و بے اعتباری کی فضا میں معلق رہنے کے بعد مطمئن ہو گئی تھی۔ وہ دونوں میاں بیوی بے ضرر سے مخلص لوگ تھے۔ وہ انہیں اپنی ساری کہانی سنا چکی تھی۔ وہ دونوں اس کی آپ بیتی سن کر آبدیدہ ہو گئے تھے۔

"تم اشتر سے نکاح کر لو۔۔۔ خاموشی سے۔" ایاز علی نے مشورہ دیا۔

"آفندی بہت خطرناک انسان ہے انکل! اسے مروا دے گا۔" وہ خوف زدہ ہوئی۔ "اور میں اس کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"ملواؤ ہم سے' دیکھتے ہیں تمہارے قابل ہے بھی کہ نہیں۔" وہ ذمہ داری سے بولے تو وہ سر سے لے کر پیر تک سرشار ہو گئی۔ اس کا تو خوف ہی دور ہو گیا۔

"وہ آج کل کچھ ڈراموں کی شوٹنگ میں مصروف ہے۔" اس نے بتایا۔

"مگر میں اس سے کہتی ہوں۔ وہ فوراً" آپ سے ملنے آئے گا۔"

"پھر اس کے بعد تمہاری امی کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔" صالحہ بیگم نے اسے تسلی دی۔

☼ ☼ ☼

کسی کے گھر شوٹ تھا۔۔۔ ابھی کچھ کام باقی تھا۔ رباح کا تھکن سے برا حال تھا۔ وہ آرام کی غرض سے دوسری منزل پر ایک الگ تھلگ کمرے میں آ گئی۔ وہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔ سب ہی کہیں نہ کہیں مصروف تھے۔

زرد رنگ کی میکسی اس کے وجود پر بے حد جچ رہی تھی۔ اس نے پیر سینڈلوں سے آزاد کیے اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ میکسی پنڈلیوں سے کھسک گئی۔ صاف و شفاف پنڈلیاں نمایاں ہو گئیں۔ ہوش ربا حسن نیم خوابیدہ تھا۔

آفندی نے اندر جھانکا۔ اس کے اندر کا شیطان باہر نکل آیا۔ غلط نیت لیے اس تک پہنچا۔ ہلکا سا لڑکھڑایا۔ آہٹ سن کر رباح نے بند پلکیں کھولیں۔ آفندی کو بے حد نزدیک پا کر بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم بہت خوب صورت ہو رباح۔ آج ظلم نہ کرنا پلیز۔"

"آفندی۔۔۔" وہ لرز اٹھی۔

"ہماری شادی ہونے والی ہے' پھر تمہیں کیوں

اعتراض ہے۔" وہ ایک قدم بڑھا۔

"میں جان دے دوں گی مزید آگے بڑھے تو۔۔۔"

"مجھ سے انتظار نہیں ہوتا اب۔" وہ کڑیل توانا مرد۔ رباح کو اندازہ ہوا' وہ اسے نہیں روک پائے گی۔ اس نے دوسری راہ اختیار کی۔

"ابھی شوٹنگ مکمل نہیں ہوئی۔ اس کے بعد دیکھتے ہیں۔"

"میں نے سب کی چھٹی کردی۔ سب چلے گئے۔ اب یہاں کوئی نہیں ہے۔" وہ مسکرایا۔

وہ دہشت زدہ ہو گئی۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف کھسکنے لگی۔

"دیکھو۔۔۔ میں کہہ رہی ہوں رک جاؤ ورنہ۔۔۔"

اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہہ کی۔

"مرنا آسان نہیں ہوتا میری جان۔۔۔" خباثت بھری مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھی تک تھی۔

"اپنی عزت بچانے کے لیے میں کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ سمجھے!" وہ غرائی۔

"جان دینی ہی ہے تو مجھے دے دو نا میری جان! دیکھو۔۔۔"

وہ اب کھڑکی تک پہنچ چکی تھی۔ کھڑکی کا شیشہ کھسکانا محال تھا۔ مگر شکر تھا اس میں گرل نہیں لگی تھی۔

"بے وقوفی مت کرو رباح!" وہ مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ خوف کی آخری حد تک ڈھے چکی تھی۔ اس کا وجود لرزے کی زد میں تھا۔

"یا اللہ مدد کر!" اس نے پوری قوت سے اسے دھکا دیا۔ وہ لمبا چوڑا مرد بس یک دم ہی لڑکھڑایا تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے شیشہ کھسکایا۔

"رکیں۔" کوئی پیچھے سے پکارا۔ وہ کیمرہ مین تھا جو اپنا موبائل لینے کمرے میں آیا تھا اور ساری صورت حال بھانپ چکا تھا۔

مگر رباح اس کی آواز نہیں سن سکی اور اسی لمحے ایک زوردار چیخ کے ساتھ اس نے خود کو دوسری منزل کی کھڑکی سے گرادیا۔ کیمرہ مین چیختا ہوا کھڑکی تک پہنچا۔ اتنی دیر میں وہ چھجے پر گری اور پھر فرش وہاں سے بھی لڑھک کر زمین پر جاگری۔۔۔۔ کیمرہ مین نے نیچے جھانکا۔ وہ خون میں لت پت بے سدھ پڑی نظر آئی۔

"لعنت ہے صاحب آپ پر!" کیمرہ مین صوفے پر گرے آفندی کو کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں اترتا وہاں پہنچا۔ اتنی دیر میں کچھ لوگ جمع ہوچکے تھے کسی نے ایمبولینس بھی منگوالی تھی۔

یہ خبر میڈیا تک جا پہنچی اور پھر بجلی کی سی تیزی سے پھیل گئی۔

"مشہور ماڈل رباح نے عزت بچانے کی خاطر دوسری منزل سے چھلانگ لگادی۔ وہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا اسپتال میں داخل ہیں۔"

☼ ☼ ☼

"ہائے۔۔۔" سلطانہ نے کلیجہ پکڑلیا۔ "بیگم صاحبہ میری بچی۔" وہ بری طرح رو پڑی۔

وہ حیرت زدہ تھیں۔

"تم نے کبھی بتایا نہیں۔" بیگم صاحبہ نے فوراً اپنے ڈرائیور کو بلایا۔

ڈرائیور سلطانہ کو مقامی اسپتال چھوڑنے چلا گیا۔

اشتر اسپتال کے کوریڈور میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا۔ ایاز علی' صالحہ بیگم اور کیمرہ مین بھی موجود تھے۔

آفندی راتوں رات روپوش ہوگیا۔

"ارے میں بچالیتا بی بی کو پر میری سنی ہی نہیں۔" وہ باقاعدہ رو رہا تھا۔

"آفندی کو کہاں ڈھونڈوں۔" اشتر بے چین تھا۔

"رباح! اللہ تمہیں زندگی دے۔" سلطانہ بلکتی ہوئی کاریڈور میں داخل ہوئی۔

"خاتون آپ کون ہیں؟" صالحہ بیگم نے تڑپ تڑپ کر روتی سلطانہ سے پوچھا۔

"میں سلطانہ۔۔۔ رباح کی ماں۔" اس کے الفاظ ہچکیوں میں کہیں گم ہوگئے۔

اشتر چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ سنتے ہی لپک کر ان کے پاس آیا اور انہیں تسلی دی۔

اندر آئی سی یو میں ڈاکٹرز اس کی جان بچانے کی کوشش میں مصروف تھے۔

کئی خون کی بوتلیں اسے لگیں۔ ٹانگ کی ہڈی میں فریکچر تھا۔ بازو کی ہڈی بھی مڑ گئی تھی۔

آخر کار اس نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔۔

"میری ماں۔۔۔؟" ہوش میں آتے ہی اس نے پہلا سوال کیا۔

"رباح۔ یہ دیکھو۔ تمہاری امی۔" اشتر نے سلطانہ کا ہاتھ پکڑ کر رباح کے قریب کیا۔

"امی۔۔۔ ی۔" سلطانہ کو دیکھ کر وہ پھر ہوش و حواس کھونے سی لگی۔ یہی کیفیت سلطانہ کی بھی تھی۔ مگر اس مرتبہ یہ خوشی کا عالم تھا۔

☼ ☼ ☼

رباح تیزی سے صحت یاب ہو رہی تھی۔ بس گھٹنے کے پاس سے ٹوٹی ہڈی تکلیف دے رہی تھی۔ ابھی بازو پر بھی بینڈیج تھی۔ نقاہت بھی بے حد تھی۔ مگر ماں کے ملنے پر مسرور تھی۔

اسے کمرے میں شفٹ کردیا گیا تھا۔ سلطانہ کو اشتر بے حد پسند آیا تھا۔ ایاز علی اور صالحہ بیگم کی بھی ممنون تھی کہ اس کی بیٹی کا اتنا خیال رکھا۔

"اسی عزت کو بچانے کی خاطر تو امی نے رات کے اندھیرے میں گھر کی چار دیواری سے باہر دھکیل دیا تھا۔ اسے کیسے نہ بچاتی۔" رباح کا لہجہ ٹھوس تھا۔

کچھ دن بعد رباح کو گھر شفٹ کردیا۔

ایاز علی صالحہ بیگم نے۔۔۔ ایک دم اشتر کو بھی زبردستی یہیں روک لیا تھا۔ تنہائی کے مارے ایاز علی اور صالحہ بیگم کو یکدم اتنے رشتے مل گئے۔ ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔۔۔۔ اتنے بے لوث تھے دونوں۔

صالحہ بیگم رباح کے کمرے میں آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک پاؤچ تھا۔۔۔ بازوؤں پر گلابی جھلملاتا دوپٹا سنبھالا ہوا تھا۔

نیم دراز رباح کے قریب آئیں۔ اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اس وقت سب لوگ موجود تھے۔ خاموش مسکراہٹ کے ساتھ اس کارروائی کو دیکھ رہے تھے۔

اس کا ذرا سا سر اونچا کرکے دوپٹا اس کے سر پر ڈالا۔ پاؤچ سے بھاری کنگن نکال کر اس کی کلائیوں میں ڈالے۔

"میں نے رسم کردی ہے۔" سلطانہ سے مخاطب ہوئیں۔ "اشتر سے اس کی بات پکی ہوگئی ہے۔ اب آپ کی باری ہے۔"

سلطانہ نہال ہوگئی۔

اشتر نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ شرم سے سرخ ہوگئی۔ گلابی جھلملاتے دوپٹے میں اس کا نقاہت زدہ چہرہ شرمگیں مسکراہٹ لیے بے حد حسین لگ رہا تھا۔

سلطانہ نے بٹوے سے کچھ نوٹ نکال کر اشتر کے ہاتھ پر رکھے اور اس کی پیشانی چوم لی۔ ایاز علی مٹھائی کا ڈبا نکالا' جو انہوں نے کرسی کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ ان کو شوگر تھی۔ صالحہ بیگم کھانے نہیں دیتی تھیں۔ وہ مٹھائی کے دلدادہ۔۔۔ گھور کر میاں کو دیکھا۔

"بھئی آج کوئی روک ٹوک نہیں۔ آج میری بیٹی کی منگنی ہوئی ہے۔ آج تو میں مٹھائی کھاؤں گا بھی۔ کھلاؤں گا بھی۔"

کہتے کے ساتھ انہوں نے رباح کو آدھا گلاب جامن کھلایا اور باقی آدھا اشتر کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ تلملاتی کھڑی رہیں تو سنجیدہ ہوگئے۔ ڈبا ان کے سامنے کردیا۔ صالحہ بیگم نے فوراً" جھپٹ لیا مگر پھر۔ ایک گلاب جامن اٹھا کر ایاز علی کے منہ میں ٹھونس دیا۔ سب یک دم ہنس پڑے۔

رباح اور اشتر کی تو کیفیت ہی الگ تھی۔۔۔ دونوں کی بے لوث محبت نے فتح پالی تھی۔